Rooh-e-Tahqeeq, Vol.03, No.02, Serial No. 08, April-June 2025

سلطان عبدالحمید ثانی

اسلامی شناخت، ریاستی اداروں کی تشکیل اور عہدِ انتقال کی قیادت

Sultan Abdul Hameed II: Islamic Identity, State Institutions and Leadership in an Era of Transition

Hafiz Muhammad Umair
MPhil Scholar (Islamic Studies), BZU, Multan
hafizumair323245@gmail.com

Ashiq Hussain
PhD Research Scholar (Islamic Studies), NCBA&E, Sub-Campus, Multan
cdlodhran@gmail.com

Abstract:
Sultan Abdul Hamid II (b. September 21, 1842) ascended the Ottoman throne in 1876 as the 34th Sultan at age 34. Orphaned at ten, he was raised by a devout stepmother whose piety and composed demeanor profoundly shaped his character. Educated in the imperial palace, he mastered Arabic, Persian, history, literature, and Sufism while excelling in martial arts (swordsmanship, archery). His keen awareness of global politics and domestic affairs later defined his rule .Upon accession, Abdul Hamid agreed to three conditions from reformist leader Midhat Pasha:
1. Promulgation of a constitution.
2. Consultation only with responsible ministers.
3. Appointment of specific officials as private and chief secretaries.
However, once in power, he violated the latter two terms and only nominally honored the first. He appointed anti-reformists to key court positions—Mahmud Celaleddin Pasha as Grand Marshal and "English" Said Pasha as First Aide-de-Camp—bypassing Midhat's candidate for Chief Secretary. This signaled his centralization agenda .In December 1876, Midhat became Grand Vizier but faced immediate opposition in the cabinet. When Justice Minister Cevdet Pasha (secretly anti-reform) moved to postpone the constitution, Midhat threatened resignation, citing the coup's sole purpose as constitutionalism. Concurrently, critical articles in İstikbal* newspaper questioning the Sultan's sincerity provoked Abdul Hamid. Blaming journalist Ziya Bey, he exiled Ziya to Berlin (preventing parliamentary candidacy) and shuttered *İstikbal, crushing dissent. These early actions revealed Abdul Hamid's strategy: leveraging ceremonial concessions to gain power while systematically dismantling reformist influence through appointments, suppression of press freedom, and isolation of opponents—a prelude to his autocratic 33-year reign.

Key words:
Abdul Hamid II, Ottoman Constitution, Midhat Pasha, Tanzimat Reforms, Ottoman Press Censorship, 19th Century Ottoman Politics.

مقدمہ

سلطان عبدالحمید ثانی (۱۸۴۲ء / ۱۲۵۸ھ) دولت عثمانیہ کے چونتیسویں فرماں روا تھے۔ ۱۸۷۶ء میں جب وہ محض چونیتس سال کے تھے تختِ سلطنت پر متمکن ہوئے۔ ان کی ابتدائی زندگی پر غم کے سائے منڈلاتے رہے۔ دس سال کی عمر میں والدہ کا سایۂ شفقت اٹھ گیا۔ ان کی پرورش کی ذمہ داری ایک سوتیلی والدہ نے سنبھالی، جو بانجھ تھیں۔ اسی وجہ سے انھوں نے عبدالحمید پر وہ ساری محبت نچھاور کی جو ایک سگی ماں اپنے بیٹے پر کرتی ہے۔ ان کی شائستہ، دین دار اور پر سکون شخصیت نے عبدالحمید پر گہرے نقوش چھوڑے۔ ان کی تربیت کا اثر سلطان کی ساری زندگی میں نمایاں رہا اور انھی کی عادات و اطوار کا عکس عبدالحمید کی ذات میں جلوہ گر نظر آتا رہا۔ تعلیم و تربیت کے میدان میں عبدالحمید نے قصرِ سلطانی کے ممتاز اساتذہ سے استفادہ کیا۔ انہوں نے عربی و فارسی زبانوں میں مہارت حاصل کی، تاریخ کا گہرا مطالعہ کیا، اور علم و ادب میں اپنی صلاحیتوں کو نکھارا۔ تصوف کے رموز و اسرار سے بھی آگاہی حاصل کی اور ترکی عثمانی زبان میں شاعری کے ذریعے اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ جسمانی تربیت کے لحاظ سے وہ اسلحہ چلانے، تلوار زنی اور تیر اندازی میں ماہر تھے اور بدنی مشق کو ہمیشہ اہمیت دیتے تھے۔ عالمی سیاست پر ان کی گہری نظر تھی اور وہ سلطنت کے گوشے گوشے کی خبر رکھتے تھے۔

تخت نشینی اور مدحت پاشا سے تصادم

تخت پر بیٹھنے سے قبل، عبدالحمید کو مدحت پاشا اور ان کی جماعت کی تین شرائط ماننی پڑیں:

۱. دستورِ اساسی (آئین) کا اعلان۔

۲. سلطنت کے معاملات میں صرف ذمہ دار وزراء سے مشورہ۔

۳. ضیا بے اور کمال بے کو پرائیویٹ سیکرٹری، اور سعد اللہ بے کو چیف سیکرٹری مقرر کرنا۔

تاہم، اقتدار سنبھالتے ہی عبدالحمید نے آخری دو شرائط کی عملاً خلاف ورزی کی۔ پہلی شرط بھی محض برائے نام پوری ہوئی۔ ان کے اولین تقررات ہی سے ان کی مستقبل کی پالیسی کا اشارہ ملتا ہے۔ انہوں نے محمود جلال الدین پاشا (مدحت پاشا کے مخالف) کو مشیر سرائے سلطانی (Grand Marshal of the Palace) اور انگلیز سعید پاشا کو رئیس یاور یہ (فرسٹ ایڈی ڈی کینگ) بنایا۔ اگرچہ یہ تقرریں سلطان کی ذاتی صوابدید کے دائرے میں تھیں، لیکن چیف سیکرٹری کا عہدہ، جو حکومتی مراسلات کا مرکز اور سلطان کا "دست راست" سمجھا جاتا تھا اور صدر اعظم کے برابر اہمیت رکھتا تھا، پر سعد اللہ بے کی بجائے محمود پاشا کے حامی سعید بے کو تعینات کرنا مدحت پاشا کے لیے ایک صریح چیلنج تھا۔ وزیروں کی طرف سے اس فیصلے پر نظر ثانی کی درخواست کے باوجود سلطان اپنے موقف پر اڑے رہے۔

دستورِ اساسی کا بحران اور صدارتِ مدحت پاشا

دسمبر ۱۸۷۶ء میں مدحت پاشا کو صدر اعظم بنایا گیا۔ پہلی ہی کابینہ اجلاس میں، جو محمود پاشا کے گھر پر ہوا، دستورِ اساسی کے نفاذ پر اختلاف کھل کر سامنے آ گیا۔ وزیر عدل جودت پاشا (مخالف پارٹی کا خفیہ حامی) نے تجویز پیش کی کہ نئے سلطان کی تخت نشینی کے بعد دستور کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ مدحت پاشا نے غصے میں جواب دیا کہ دستور کا نفاذ ہی مراد کے معزول ہونے اور عبدالحمید کی تخت نشینی کا بنیادی مقصد تھا، اور اگر اس پر عمل نہ ہوا تو وہ استعفیٰ دے دیں گے۔ مصلحتاً مخالفین خاموش ہو گئے۔ اس دوران، اخبار 'استقبال' میں دستور کے نفاذ پر سلطان کی نیت پر شک کرتے ہوئے مضامین شائع

ہوئے۔ قصرِ سلطانی میں انہیں سخت ناپسند کیا گیا اور ضیا بے کو ان کا مصنف سمجھا گیا۔ سلطان نے ضیا بے کو برلن میں سفیر مقرر کر کے استنبول سے دور کر دیا، تا کہ وہ مستقبل کی پارلیمنٹ کا رکن نہ بن سکے، جیسا کہ توقع تھی۔ ساتھ ہی اخبار 'استقبال' کی اشاعت بھی بند کروادی گئی۔

دستور اساسی کا اعلان

بالآخر ۲۳ دسمبر ۱۸۷۶ء کو دستور اساسی کا اعلان کیا گیا، باب عالی کے سامنے کھلے میدان میں ایک وسیع شہ نشین بنا کر اسے پھولوں سے خوب آراستہ کیا گیا تھا، وہاں تمام اعیانِ حکومت، علما اور وزرا جدید دستور کا اعلان سننے کے لیے جمع ہوئے، جس کی نسبت یہ توقع قائم کی گئی تھی کہ سلطنتِ عثمانیہ کے ایک نئے دور کا افتتاح کرے گا، سڑک پر دورویہ فوجوں کی قطار تھی، فوجی بینڈ کی آواز پر مجمع کی نگاہیں اِدھر اُٹھیں اور سعید پاشا پورے یونیفارم میں آتا ہوا دکھائی دیا، اس نے سلطان کا خط ہمایوں، جو صدر اعظم کے نام تھا اور جس کے ساتھ دستور اساسی کا مسودہ بھی تھا، لا کر مدحت پاشا کو دیا، خط ہمایوں اور دستور کا مسودہ حاضرین کو پڑھ کر سنایا گیا اور اسی وقت دستور کی ہزاروں چھپی ہوئی نقلیں مجمع میں تقسیم کی گئیں، اس کے بعد مدحت پاشا نے تقریر کی جس میں سلطان کا شکریہ ادا کیا اور اس دستور کی اہمیت حاضرین کو سمجھائی، جب انہوں نے تقریر ختم کی تو مفتی اور نہ نے دعا مانگی اور سب نے آمین کہی اور ایک سو ایک توپوں کی سلامی کے ذریعہ قسطنطنیہ کے تمام باشندوں کو اطلاع دی گئی کہ دستور اساسی کا اعلان ہو گیا۔

اس دستور کے رُو سے ایک پارلیمنٹ قائم کی گئی جو دو ایوانوں پر مشتمل تھی: دار الاعیان اور دار المبعوثین دارالاعیان کے ممبروں کا انتخاب نامزدگی کے ذریعہ اور دار المبعوثین کے ممبروں کا کثرت رائے سے ہونا قرار پایا، پارلیمنٹ کے ماتحت ایک کابینہ وزارت بھی قائم کی گئی، سلطان کی تمام رعایا کو بلا امتیاز مذہب و ملت برابر حقوق دیئے گئے اور حکومت کے عہدے سب کے لیے یکساں طور پر کھول دیئے گئے، دستور میں اس بات پر خاص طور سے زور دیا گیا تھا کہ سلطنت کے تمام باشندوں کے لیے ایک مشترکہ قانون نافذ کیا جائے اور ان سب کا سرکاری نام خواہ وہ کسی قوم یا فرقہ سے تعلق رکھتے ہوں، عثمانی قرار دیا گیا، اس کے علاوہ فرمان میں جلسوں اور پریس کی آزادی، عدل و انصاف کے قیام اور جبری تعلیم کا بھی وعدہ کیا گیا۔

دستور اساسی کے اعلان پر ملک کے ہر طبقہ نے مسرت کا اظہار کیا، علماء شیخ الاسلام خیر اللہ آفندی کی قیادت میں، عیسائی پادری اپنے بطریقوں کے ساتھ، شاکر آفندی جو قسطنطنیہ کے کبار علماء میں تھے، طلبہ کی جماعت لے کر اور دارالسلطنت کے عام باشندے جھنڈے لیے ہوئے جن پر 'آزادی' کا لفظ منقوش تھا، مدحت پاشا کے مکان پر مبارک باد دینے کے لیے آئے، شام کے وقت تمام مسجدوں میں چراغاں کیا گیا، لوگ مشعلیں لیے ہوئے سڑکوں پر گشت کرتے تھے اور "سلطان زندہ باد" اور "مدحت پاشا زندہ باد" کے نعرے لگاتے تھے، سلطنت کے تمام صوبوں سے مبارک باد کے تار آئے، جن میں مسرت کا اظہار کیا گیا تھا، دوسرے روز صبح کو مدحت پاشا یونانی اور آرمینی بطریقوں اور یہود کے بڑے ربی کے پاس گئے، ان کی مبارک باد کا شکریہ ادا کیا اور انہیں ترغیب دی کہ ملک کی فلاح و بہبود کے لیے ایک علم کے نیچے متحد ہو کر کام کریں، بطریقوں نے ان کا پُر جوش استقبال کیا، مدحت پاشا نے اپنی تقریر میں کہا کہ وہ مسلمان اور عیسائیوں میں کوئی فرق نہیں کرتے کیوں کہ دونوں ایک ہی ملک کے باشندے ہیں۔

پس منظر: سلطان مراد کے تخت نشین ہوتے ہی وزرا نے محسوس کرنا شروع کیا کہ وہ اعصابی انتشار میں مبتلا ہے، چنانچہ بہترین ڈاکٹروں کے مشورہ سے علاج شروع کیا گیا اور امید کی جاتی تھی کہ تھوڑے دنوں کے بعد یہ شکایت جاتی رہے گی، لیکن دو واقعات یکے بعد دیگرے ایسے پیش آئے کہ ان سے اس کے اعصاب پر بے حد اثر پڑا اور صحت کی تمام امیدیں درہم برہم ہو گئیں۔

وفات عبدالعزیز: پہلا واقعہ سلطان عبدالعزیز کی خودکشی کا تھا، معزولی سے پانچ دن بعد اس نے ایک قینچی لے کر اپنی دونوں بانہوں کی رگیں کاٹ ڈالیں، جن سے خون اس کثرت سے نکلا کہ وہ جانبر نہ ہو سکا، قسطنطنیہ کے سترہ ممتاز ڈاکٹروں نے جن میں ہر قوم کے لوگ تھے لاش کا معاینہ کر کے خودکشی کا خیال ظاہر کیا اور اپنی رپورٹ میں لکھا کہ موت ان زخموں سے واقع ہوئی ہے جو قینچی سے دونوں بانہوں میں کیے گئے تھے۔

کپتان حسن کا واقعہ

اس واقعہ سے مراد کے دماغ پر نہایت سخت اثر پڑا، دس روز بعد ایک دوسرا واقعہ پیش آیا، جس نے اس کو اور بھی زیادہ متاثر کیا، حسن نامی ایک چرکس کپتان کسی وقت سلطان عبدالعزیز کا ایڈی کانگ رہ چکا تھا، اس کے متعلق یہ شبہ ہوا کہ وہ اپنے آقا کا انتقام لینا چاہتا ہے، چنانچہ وزیر جنگ حسین عونی پاشا نے اسے بغداد جانے کا حکم دیا لیکن وہ نہ گیا، اس پر عونی پاشا نے اسے قید کر دیا، دو دن قید میں رہنے کے بعد اس نے اطاعت کا اظہار کیا اور رہا کر دیا گیا۔ ۱۵ جون کو رات کے وقت جب کہ تمام وزرا مدحت پاشا کے مکان پر کابینہ کے ایک جلسہ میں شریک تھے چرکس حسن چھ بھرے ہوئے پستولوں سے مسلح ہو کر کسی طرح اس کمرہ میں داخل ہو گیا جہاں اجلاس ہو رہا تھا اور اندر پہنچتے ہی سب سے پہلے حسین عونی پاشا کو گولیوں کا نشانہ بنایا، اس کے بعد فوراً رشید پاشا، وزیر خارجہ کی طرف مڑا اور اسے بھی زخمی کیا۔ وزیر بحریہ قیصر لی احمد نے چاہا کہ جھپٹ کر حسن کے ہاتھ سے پستول چھین لے مگر حسن نے فوراً خنجر سے وار کر کے اسے گرا دیا، حسین عونی نہایت زخمی ہونے کے باوجود سیڑھیوں تک پہنچ گیا تھا، لیکن حسن نے اسکا پیچھا کیا اور گردن پر خنجر کی ایسی کاری ضرب لگائی کہ عونی وہیں ٹھنڈا ہو گیا، اس کے بعد کمرہ میں واپس آ کر اس نے بے تحاشا ہر طرف گولی چلانی شروع کی اور اپنے تمام پستول خالی کر دیئے، انہی گولیوں سے بتیوں کا جھاڑ بھی چور چور ہو گیا تھا اور کمرہ میں اندھیرا ہو گیا، یہ تاریکی اس وقت بہت مفید ثابت ہوئی کیوں کہ محمد رشدی پاشا، خالد پاشا اور قیصر لی احمد پاشا حسن کی زد سے بچ کر قریب کے ایک کمرہ میں پہنچ گئے اور دروازہ بند کر لیا، اندھیرے میں مدحت پاشا کے کوٹ کی آستین حسن کے ہاتھ آ گئی مگر وہ خود بچ گئے، ان کا ایک ملازم آغا گولیوں کی آواز سن کر دوڑا اور قاتل کو گرفتار کرنا چاہا مگر حسن نے وہیں سے اسے گولی سے مار کر ختم کر دیا، یہی حشر شکری بے کا ہوا جو وزیر بحر کا ایڈی کانگ تھا اور اسے بچانے کے لیے دوڑا تھا، بالآخر فوجی پولیس کا ایک دستہ آیا اور فریقین کے درمیان کچھ دیر تک باقاعدہ جنگ ہوتی رہی تب کہیں قاتل گرفتار ہوا، اسے عدالت سے پھانسی کی سزا دی گئی لیکن آخری وقت تک وہ اس سے انکار کرتا رہا کہ کوئی اور بھی اس کا شریکِ جرم ہے۔(۱)

معزولی کا سوال

ان حادثات کا اثر مراد کے دماغ کے لیے تباہ کن ثابت ہوا، اس کی صحت کی طرف سے اب مایوسی ہونے لگی، سلطنت کے لیے یہ صورت حال نہایت نازک تھی، مجلس وزرا میں دو جماعتیں قائم ہو گئیں صدر اعظم محمد رشدی پاشا اور

اکثر وزرا یہ جانتے تھے کہ مراد اصلاحات کا حامی ہے، اس لیے وہ اسے معزول کر کے اصلاحات کو خطرہ میں ڈالنے پر تیار نہ تھے، خصوصاً اس وجہ سے کہ آئندہ سلطان کے طرزِ عمل کے متعلق انہیں کوئی آگاہی نہ تھی، اس بنا پر ان کی رائے تھی کہ صبر سے کام لینا چاہیے اور مراد کی صحت یابی کا انتظار کرنا چاہیے۔

دوسری طرف سلطان کے بہنوئی داماد محمود جلال الدین پاشا کی پارٹی تھی جس میں قصرِ سلطانی کے بعض اعلیٰ عہدہ داروں کے علاوہ فوج کے دو ایک بااثر مارشل مثلاً ردیف پاشا کمانڈر قسطنطنیہ شامل تھے، یہ لوگ مدحت پاشا اور حامیانِ دستور کے خیالات سے متفق نہ تھے، وہ دیکھتے تھے کہ اگر مراد معزول نہ کیا گیا تو ان کی امیدیں پوری نہ ہو سکیں گی، کیوں کہ وزارت میں ان کی اقلیت تھی، قصرِ سلطانی میں ضیا بے اور کمال بے جیسے لوگوں کا اقتدار تھا اور بابِ عالی میں حامیانِ اصلاح کی حکومت تھی، لیکن اگر مراد معزول کر دیا گیا اور شہزادہ عبدالحمید تخت پر آیا تو اصلاحات کی پوری سکیم درہم برہم ہو جائے گی اور خود بر سر حکومت آجائیں گے، ان کے پیش نظر زیادہ تر اپنا ذاتی اقتدار تھا، اس پارٹی کی پشت پر رجعت پسندوں کی پوری جماعت تھی۔

بد قسمتی سے صورت حالات بھی اسی جماعت کے موافق تھی، عثمانی قانون کی رُو سے کوئی ایسا شخص جس کا دماغ پوری طرح صحیح نہ ہو، سلطان نہیں ہو سکتا تھا، عثمان اول کی تلوار باندھنے کی رسم بھی جو تخت نشینی کی ایک ضروری اور نہایت اہم رسم تھی ابھی ادا نہیں ہوئی تھی، ابھی تک کوئی سلطان نماز جمعہ اور اس کے بعد کی رسم سلاملتی سے غیر حاضر نہیں ہوا تھا، ان موقعوں پر مراد کے موجود نہ ہونے سے عوام میں بجا طور پر تشویش پھیل رہی تھی، یورپین حکومتیں الگ دخل انداز ہو رہی تھیں، ان کے سفرا یہ سوال کرتے تھے کہ انہیں کب اور کس سلطان کے سامنے اپنے سفارت نامے پیش کرنے چاہئیں۔

ان حالات میں مجلس وزرا نے یہ فیصلہ کیا کہ مدحت پاشا، ولی عہد سلطنت شہزادہ عبدالحمید سے زبانی گفتگو کر کے یہ معلوم کر لیں کہ اصلاحات کے جاری کرنے میں اس کے تعاون پر اعتماد کیا جا سکتا ہے یا نہیں اور اگر اس طرف سے اطمینان ہو جائے تو اسے تخت پر بٹھانے سے پہلے مندرجہ ذیل شرائط منظور کرا لی جائیں: بلا تاخیر جدید دستور حکومت کا اعلان کر دیا جائے گا۔ امورِ حکومت میں صرف ذمہ دار وزیروں سے مشورہ کیا جائے گا۔ ضیا بے اور کمال بے کو کاتب خاص (پرائیویٹ سکریٹری) اور سعد اللہ بے کو باش کاتب (چیف سکریٹری) مقرر کیا جائے گا۔

مراد کا عزل

عبدالحمید نے مدحت پاشا کی یہ تینوں شرطیں منظور کر لیں، اس کے وعدہ پر اعتماد کر کے وزرا نے مراد کو معزول کرنے کا فیصلہ کیا، معزولی سے پہلے صدر اعظم رشدی پاشا نے مراد کے دماغی اختلال کی نسبت قسطنطنیہ کے چھ بڑے بڑے ڈاکٹروں سے تصدیق کرا لی، ان سب نے متفقہ طور پر لکھا کہ اگر مدت دراز کے بعد خلافِ توقع مراد کا دماغ درست بھی ہو جائے تو بھی وہ اپنی اصلی حالت پر کبھی نہیں آسکے گا، چنانچہ اختلالِ دماغ کی بنا پر شیخ الاسلام نے اس کے عزل کا فتویٰ دیا اور ۱۲ شعبان ۱۲۹۳ھ بمطابق یکم ستمبر ۱۸۷۶ء کو وزرا نے اسے تخت سے اتار کر شہزادہ عبدالحمید کو اس کی جگہ بٹھایا۔

دینی خدمات

سلطان عبد الحمید ثانی کے تخت نشین ہونے کے بعد، انہوں نے تعلیمی اداروں میں مغربی تہذیبی اثرات اور قومی تعصبات کے غالب رجحانات کا مشاہدہ کیا۔ ان حالات کے پیشِ نظر، انہوں نے تعلیمی نظام میں مداخلت کرتے ہوئے درج ذیل اصلاحات نافذ کیں:

جنرل ادب اور جنرل تاریخ کے مضامین کو نصاب سے خارج کر دیا گیا، کیونکہ یہ مغربی ادبیات اور غیر اسلامی تہذیبوں کی تاریخ کو فروغ دے رہے تھے، جس سے طلبہ پر منفی ثقافتی اثرات مرتب ہو رہے تھے۔

فقہ، تفسیر قرآن اور اخلاقیات جیسے اسلامی علوم کو لازمی مضامین کے طور پر نصاب میں شامل کیا گیا۔

تاریخ کی تدریس کو صرف اسلامی اور عثمانی تاریخ تک محدود کر دیا گیا، تاکہ طلبہ میں اسلامی تشخص کی تشکیل ہو سکے۔

سلطان نے خصوصی مدارس قائم کیے جن کی نگرانی براہِ راست خود کرتے تھے۔ ان اداروں کو وہ "اسلامی اتحاد" کے حصول کا اہم ذریعہ سمجھتے تھے۔(۲)

سلطان نے خواتین کی تعلیم کی طرف بھی خصوصی توجہ دی، لڑکیوں کی تعلیم و تربیت کے لیے الگ ادارے قائم کیے جہاں ان کو تدریس کی ٹریننگ دی جاتی تھی سلطان نے عورتوں کے ساتھ مردوں کے اختلاط پر پابندی عائد کر دی، اس پر جمعیت الاتحاد والترقی نے سلطان پر یہ الزام لگایا کہ وہ عقل اور علم کے دشمن ہیں۔ سلطان نے ان الزامات کا جواب دیتے ہوئے کہا:

> "اگر میں علم و عقل کا دشمن ہوتا تو تعلیمی ادارے کھولتا؟ اگر میں علم کا دشمن ہوتا تو بچیوں کے لیے ٹریننگ سنٹر کھولتا جن میں انہیں مردوں سے الگ تعلیم دی جاتی؟"(۳)

سلطان عبد الحمید دولتِ عثمانیہ میں عورت کی بے پردگی کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور عثمانی خواتین میں مغربی قدروں کو پھلنے پھولنے سے روکنے کے لیے اس پر کاری ضرب لگائی۔ استنبول کے اخبارات میں ۱۳ اکتوبر ۱۸۸۳ء کو ایک حکومتی بیان کا اعلان کیا گیا جس سے عورت کے بارے سلطان کا نقطہ نظر واضح ہو جاتا ہے۔ سلطان عبد الحمید ثانی نے ایک سرکاری بیان جاری کیا جس میں عثمانی خواتین کی رات کے اوقات میں شرعی لباس سے انحراف پر تشویش کا اظہار کیا گیا۔ بیان میں واضح ہدایات دی گئیں کہ حکومت فوری طور پر بے پردگی روکنے کے لیے اقدامات کرے، نیز خواتین کو مکمل شرعی نقاب پہننے کی پابندی عائد کی جائے جو باہر نکلتے وقت لازمی ہو گا۔

مجلسِ وزراء کے بعد مندرجہ ذیل فیصلے نافذ کیے گئے:

۱. خواتین کو بے پردگی ترک کرنے کے لیے ایک ماہ کی مہلت دی جائے۔ اس مدت کے بعد غیر محفوظ لباس پہننے والی خواتین پر گھر سے نکلنے کی پابندی لگائی جائے۔ صرف شرعی نقاب (جس میں زینت اور بیل بوٹے شامل نہ ہوں) پہننے والی خواتین کو ہی اجازت ہو گی۔

۲. پتلے ریشمی نقابوں پر مکمل پابندی عائد کرتے ہوئے، ایسے گھنے نقاب پہننا لازمی قرار دیا گیا جن سے چہرے کے خد و خال نمایاں نہ ہوں۔

۳. حکم نافذ ہونے کے ایک ماہ بعد پولیس طاقت کے ذریعے ان ہدایات پر عملدرآمد یقینی بنائے گی، جبکہ تمام انتظامی ادارے پوری طرح تعاون کریں گے۔

۴. سرکاری طور پر سلطانی فرمان کی توثیق کی جائے گی۔

۵. اس حکم کو اخبارات میں شائع کیا جائے گا اور عوامی مقامات پر آویزاں کیا جائے گا۔(۴)

اس بیان کے نشر ہونے کے دوسرے دن یعنی ۴ اکتوبر کو استنبول سے نکلنے والے ایک اخبار "وقت" نے اپنا تجزیہ پیش کرتے ہوئے کہا: " عثمانی معاشرے نے بالعموم اس فیصلے کا خیر مقدم کیا ہے اور اسے ملک و قوم کے لیے بے حد مفید قرار دیا ہے۔"(۵)

سلطان عبدالحمید کی نظر میں "عورت اپنی بناوٹ کے لحاظ سے مرد کے برابر نہیں ہو سکتی" وہ کہتے تھے: "جب تک قرآن کریم یہ بات کہتا رہے گا، جدیدیت کا دعویٰ کرنے والا کوئی شخص عورت کو مرد کے برابر قرار نہیں دے سکتا، یہ مسئلہ بالکل واضح ہے، اس پر دو آراء نہیں ہو سکتیں" ۔ ان کا نقطہ نظر تھا "مساوات کا یہ نظریہ مغرب سے آیا ہے"۔(۶)

عثمانی میڈیا پر تعداد ازدواج کے مسئلے پر بڑی زور و شور سے بحث جاری تھی، انہوں نے اس نظریہ کا دفاع کیا اور اس بارے اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہا:

> " یہ لوگ صرف دولت عثمانیہ کے اندر اس چیز کو برا خیال کیوں کرتے ہیں، امریکہ اور دوسرے یورپی ملکوں میں تعدد ازدواج کے رجحان پر یہ ماڈرن لوگ اعتراض کیوں نہیں کرتے؟ سلطان اس بات پر زور دیتا تھا کہ اسلام میں ایک سے زیادہ عورتوں کے ساتھ نکاح مباح ہے، اس پر اعتراض کیسے ہو سکتا ہے؟"(۷)

سلطان عبدالحمید خواتین کی تعلیم کے حق میں تھے، اسی لیے انہوں نے ان کی تعلیم و تربیت کے لیے خواتین ٹریننگ سنٹر قائم کیے تاکہ یہاں سے فارغ ہونے والی طالبات تعلیم کے سلسلہ کو آگے بڑھا سکیں۔ سلطان عبدالحمید اختلاط مرد و زَن اور عورت کی بے پردگی کے خلاف تھے اور ان کے عہد حکومت میں مملکت کے امور میں عورت کا کسی قسم کا کوئی عمل دخل نہیں تھا، ان کے خیال میں عورت گھر میں اور نسلِ نو کی تعلیم و تربیت میں فعال کردار ادا کرنے کی ذمہ دار تھی۔ سلطان عورت کے ساتھ نہایت ہی مہربانی کے سلوک کے حق میں تھے، ان کی سوتیلی ماں جنہوں نے سلطان کو اپنی گود میں لے کر پروان چڑھایا اور ان کی تعلیم و تربیت کی، سلطان جب تخت نشین ہوئے تو ان کے ساتھ کمال لطف و مہربانی اور عزت و تکریم سے پیش آئے، انہیں مملکت کی ملکہ کی حیثیت دی جیسا کہ جدید دَور میں رواج ہے۔ قصرِ سلطان میں ملکہ ان کی والدہ تھیں، ان کی زوجہ نہیں تھیں جیسا کہ دوسری مملکتوں میں اکثر بادشاہ کی گھر والی ملکہ کے درجہ پر فائز ہوتی ہے۔

اپنی تخت نشینی کے دوسرے دن سلطان اپنی والدہ محترمہ کی خدمت میں پیش ہوئے جو سلطان سے بے حد محبت کرتی تھیں، ان کے ہاتھوں کو بوسہ دیا اور عرض کیا:

> " آپ کی شفقت اور محبت کی بدولت میں نے ماں کی کمی محسوس نہیں کی، آپ میری نظر میں میری سگی ماں ہیں، میں دونوں میں کوئی تفریق نہیں کرتا، میں نے آپ کو اس مملکت کی ملکہ بنایا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ آپ اس محل میں جو چاہیں حکم دیں، آپ کے حکم سے سرتابی نہیں ہوگی لیکن میں امید کرتا ہوں اور مجھے

یقین ہے کہ آپ میری بات کو کسی صورت نہیں ٹالیں گی کہ آپ مملکت کے کسی چھوٹے یا بڑے کام میں کسی طرح کی مداخلت نہیں فرمائیں گی۔ "(۸)

مدرسہ العشائر کا قیام

سلطان عبد الحمید نے استنبول میں مقر خلافت و مرکز سلطنت ہونے کی بناء پر مدرسۃ العشائر العربیہ (عربی خاندان کا سکول) قائم کیا تا کہ یہاں حلب، شام، بغداد، بصرہ، موصل، دیار بکر، مغربی طرابلس، یمن، حجاز، بنغازی، القدس اور دیر الزور کے صوبوں کے عربی خاندان کے بچوں کی تعلیم و تربیت کی جاسکے۔

اس سکول میں مدت تعلیم پانچ سال رکھی گئی، یہ داخلی سکول تھے جن میں طلبہ کے جملہ اخراجات دولتِ عثمانیہ پورے کرتی تھی، ہر طالب علم کو وظیفہ بھی دیا جاتا تھا، یہ وظیفہ ہر دو سال بعد ملتا تھا، اس کے علاوہ طلبہ کا سفری خرچ بھی حکومت کے ذمہ تھا۔

استنبول کے مدرسۃ العشائر کا نصاب

اس سکول کا نصاب کچھ اس طرح مقرر کیا گیا:

- پہلا سال: قرآن کریم، حروف ابجد کی لکھائی، دینی علوم، ترکی زبان پڑھنے کی تعلیم، ترکی زبان لکھنے کی مشق، عسکری ٹریننگ
- دوسرا سال: قرآن کریم، تجوید، دینی علوم، املاء، ریاضی، ترکی کی قرأت، خوش نویسی، عسکری ٹریننگ
- تیسرا سال: قرآن کریم، تجوید، علوم دینیہ، املاء، خوش نویسی، ریاضی، جغرافیہ، فرانسیسی زبان، ٹریننگ
- چوتھا سال: قرآن کریم، تجوید، دینی علوم، عربی صرف، فارسی زبان، کتابت، ترکی گرائمر، جغرافیہ، ریاضی، خوش نویسی، فرانسیسی زبان، ٹریننگ
- پانچواں سال: قرآن کریم، تجوید، علوم دینی، عربی نحو، فارسی زبان، عثمانی تاریخ، عثمانی قواعد، ترکی زبان کی قرأت اور کتابت، ترکی میں گفتگو، جغرافیہ، ریاضی، انجینئرنگ، خوش نویسی، جنرل نالج، حفظان صحت کے اصولوں کی تعلیم، دفتری امور کی انجام دہی کی ٹریننگ، فرانسیسی خوش نویسی، عسکری ٹریننگ۔(۹)

اس سکول سے تعلیم حاصل کر کے فارغ ہونے والے طلبہ بڑے فوجی ٹریننگ سکولوں میں داخل ہوتے تھے اور پھر بڑے بڑے عہدوں پر فائز ہوتے تھے، یہاں سے فارغ ہونے والے لوگ شاہی سکول میں بھی داخل ہو سکتے تھے جہاں ایک سال پڑھنے کے بعد وہ بہت بڑی ڈگری حاصل کرتے اور اس کے بعد اپنے اپنے علاقوں میں واپس ہو جاتے تھے۔(۱۰)

اس کے علاوہ سلطان عبد الحمید نے واعظین اور مقررین کے لیے ایک ٹریننگ ادارہ قائم کیا جس میں ایسے افراد تیار کیے جاتے تھے جو اسلامی دعوت کا پرچار کرتے تھے، اسلامی اتحاد کا پیغام دنیا میں پھیلاتے اور رائے عامہ کو خلافت اور اسلامی اتحاد کے حق میں ہموار کرتے تھے۔(۱۱)

سلطان عبد الحمید بڑا بیدار مغز اور قابل فرمانروا تھا، اسی لیے انہوں نے چین کے مسلمانوں کی طرف خصوصی توجہ مبذول کی۔ استنبول سے نکلنے والے ایک اخبار نے یہ خبر شائع کی کہ چین کے متعدد مسلمان بڑے جذباتی ہیں، علم سے بے پناہ محبت کرتے ہیں، اسلامی تعلیمات سے استفادہ میں خصوصی رغبت رکھتے ہیں، ان کے ہاں تعلیمی ادارے اور مدارس

ہیں، صرف بکین میں ان کی اڑ تیس مسجدیں اور جامعات ہیں جن میں مسلمان نماز ادا کرتے ہیں اور ان میں خلیفہ عبد الحمید الثانی کے نام کا خطبہ پڑھا جاتا ہے۔ بکین کی ان مسجدوں میں جمعہ کا خطبہ عربی زبان میں پڑھا جاتا بلکہ چین کی تمام مسجدوں اور جامعات میں پڑھا جاتا ہے اور ان کے لیے بحیثیت خلیفۃ المومنین دعا کی جاتی ہے۔(۱۲)

چین کے دار الحکومت بکین میں ایک جامعہ ہے جسے چینی مسلمان "دارالعلوم الحمیدیہ" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ یہ نام سلطان عبد الحمید الثانی کے نام کی مناسبت سے رکھا گیا ہے۔ استنبول میں فرانسیسی سفیر نے اس جامعہ کو "الجامعۃ الحمیدیہ" کا نام دیا ہے۔ اور یہ بات پیرس میں وزارت خارجہ کو بھیجی جانے والی ایک رپورٹ میں بھی درج ہے۔ اس جامعہ کے افتتاح کے موقع پر ہزاروں چینی مسلمان وہاں حاضر ہوئے، ان کے علاوہ بکین کے مفتی اور کئی دوسرے علماء نے بھی شرکت کی۔

اس افتتاحی تقریب میں جو تقریر ہوئی وہ عربی میں تھی جس میں سلطان عبد الحمید کے لیے خلیفۃ المسلمین کی حیثیت سے دعا کی گئی ۔ مفتی اعظم بکین نے اس عربی خطبہ کا چینی زبان میں ترجمہ کیا اور چینی زبان میں دعا مانگی، وہاں پر موجود تمام مسلمانوں کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو تھے۔ چین کے مسلمانوں کا اپنے دین سے بہت گہرا ربط ہے، وہ بڑے جذباتی حد تک دین سے وابستہ ہیں، عربی زبان میں تقریر اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ عالمِ اسلام کو ایک دیکھنا چاہتے ہیں اور اپنے دینی بھائیوں کی زبان عربی سے بہت محبت کرتے ہیں۔ الغرض اس تقریب کے بعد جامعہ کے صدر دروازہ پر دولت، عثمانیہ کا علَم بلند کر دیا گیا جس سے یہاں کے مسلمانوں کی خوشی کی کوئی حد نہ رہی اور خوشی کے آنسو ان کے رخساروں پر ڈھلک آئے۔(۱۳)

انیسویں صدی عیسوی کے ربع اول سے برطانیہ نے کردوں کو دولتِ عثمانیہ کے خلاف بھڑکانا شروع کر رکھا تھا تا کہ ایک طرف عثمانیوں اور کردوں کے درمیان دشمنی پیدا کی جائے اور دوسری طرف کردوں کو ایک مملکت کے ذریعے جدا کیا جاسکے جو دولتِ عثمانیہ سے الگ ہو۔

جب ہندوستان میں برطانوی کمپنی قائم ہوئی تو انگریزوں کی سرگرمیاں عراق میں پہلے سے زیادہ ہو گئیں۔ انہوں نے امراء کے درمیان ایک قومی تحریک شروع کرنے کے لیے عملی اقدامات کیے۔ برطانوی مندوبین عراق میں بسنے والے کرد خاندانوں کے پاس آنے جانے لگے اور کرد خاندانوں کو دولتِ عثمانیہ کے خلاف متحد کرنے کی کوشش کرنے لگے۔ عثمانی انٹیلی جنس بڑی عمیق نظروں سے ان امور کا پیچھا کر رہی تھی، چنانچہ سلطان عبد الحمید نے انگریز کے اس تباہ کن اقدام کے خلاف ایک منصوبہ تیار کیا جس کی اہم باتیں درج ذیل ہیں:

۱. خلافتِ عثمانیہ کرد شہریوں کو آرمینیوں کے خونریز حملوں سے بچانے کے لیے اٹھ کھڑی ہوئی اور آرمینیوں کے خلاف کردوں کا ساتھ دیا۔

۲. سلطان نے مسلمان علماء پر مشتمل کئی وفود کرد خاندانوں کے پاس روانہ کیے تا کہ وہ انہیں سمجھائیں، ان کی رہنمائی کریں اور انہیں اسلامی اتحاد کی دعوت دیں چنانچہ ان وفود نے مغربی مقاصد کے بارے کردوں کو بیدار کرنے میں اپنا کردار ادا کیا۔

۳. سلطان عبد الحمید نے مختلف اقدامات کر کے کرد امراء کو اپنے اور دولتِ عثمانیہ کے ساتھ ملانے کی کوشش کی۔

۴۔ مشرقی اناضول میں کردوں پر مشتمل فوجی یونٹوں کی بنیاد رکھی گئی تاکہ آرمینی جارحیت کا راستہ روکا جاسکے۔

۵۔ علیحدگی پسند آرمینیوں کے مقاصد کے خلاف دولتِ عثمانیہ کا موقف بڑا مضبوط تھا، اسی لیے اس علاقے میں رہنے والے کردوں نے امن و امان کی کیفیت کو محسوس کیا۔(۱۴)

۶۔ دولتِ عثمانیہ نے انگریز منصوبوں کو طشت از بام کرنے کے لیئے بھی عملی اقدامات کیے جن کا مقصد دولتِ عثمانیہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے آزاد قومیت کے نام سے جاری تحریکوں کے ہاتھوں خود مختار علاقائی حکومتوں کا قیام تھا۔

سلطان عبد الحمید یمن میں برطانوی اثر و نفوذ کا دائرہ تنگ کر دینے میں کامیاب رہے اور اس علاقے میں انگریزوں کے خلاف جنگ میں واضح کامیابی حاصل کی۔ انہوں نے یمن میں آٹھ ہزار سپاہیوں پر مشتمل ایک عسکری یونٹ بنائی تاکہ یمن کو دوبارہ دولتِ عثمانیہ کی طرف لوٹایا جائے۔ انہوں نے اس پوسٹ کی تعیناتی کے لیے نہایت ہی ماہر فوجی افسر یمن روانہ کیے جیسے احمد مختار پاشا، احمد خوزی پاشا، حسین حلمی پاشا، توفیق پاشا، مشیر عثمان پاشا اور اسماعیل حقی پاشا۔ انگریزوں نے یمن میں دولتِ عثمانیہ کے خلاف بغاوت کی آگ بھڑکانے کی کوشش کی لیکن سلطان عبد الحمید کی حکیمانہ پالیسی کی بدولت ان کی ایک نہ چلی اور سلطانعبد الحمید پوری طرح کامیاب رہے۔(۱۵)

لیبیا میں اٹلی کے مقاصد

اٹلی شمالی افریقہ کو اپنے ساتھ ملانے کے خواب دیکھ رہا تھا کیونکہ وہ اس علاقے کو اٹلی کی میراث خیال کرتا تھا۔ اٹلی کے وزیر اعظم ماٹزینی نے اس بات کا بَرملا اظہار بھی کیا لیکن فرانس نے ٹیونس پر اور انگریزوں نے مصر پر قبضہ کر لیا اور اٹلی کے پاس لیبیا کے علاوہ کچھ نہ بچا۔

اٹلی کی لیبیا میں پالیسی:

اٹلی نے لیبیا میں اپنی پالیسی کو تین مراحل پر مرتب کیا۔

۱۔ سکولوں، بینکوں اور دوسرے رفاہی اداروں کے ذریعے پر امن طریقے سے لیبیا کے اندر اثر و نفوذ پیدا کرنا۔

۲۔ ڈپلومیسی کے ذریعے لیبیا پر اپنے قبضہ کے جواز کے لیے دوسرے ملکوں کو اپنے ساتھ ملانا تاکہ وہ اس قبضہ کو تسلیم کریں۔

۳۔ دولتِ عثمانیہ کے خلاف اعلانِ جنگ اور لیبیا پر قبضہ۔

اس دور میں برطانیہ اور فرانس کے برعکس اٹلی کی یہ پالیسی تھی کہ وہ اپنی جدوجہد کی طرف کسی کی توجہ مبذول نہ ہونے دے۔ وہ بڑی حکمت اور سکون کے ساتھ عثمانیوں کے جذبات کو بھڑکائے بغیر لیبیا کو اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کرے۔

سلطان عبد الحمید اٹلی کے ان مقاصد سے پوری طرح آگاہ تھے، انہوں نے مختلف ذرائع سے لیبیا میں اٹلی والوں کی سرگرمیوں اور ان کے اہداف کے بارے میں معلومات حاصل کیں۔ انہیں معلوم ہوا کہ "اٹلی والے سکولوں، بینکوں اور دوسرے فلاحی اداروں کی وساطت سے عثمانی صوبوں لیبیا اور البانیا میں اپنا اثر و رسوخ بڑھا رہے ہیں اور ان کا ارادہ یہ ہے کہ وہ بالآخر دولت عثمانیہ کے ان علاقوں پر قبضہ کریں۔"

۱. مغربی طرابلس

۲. البانیا

۳. بحر ابیض متوسط کے ساحل پر واقع اناصنول کے علاقے از میر، اسکندرون اور انطاکیہ

سلطان عبد الحمید الثانی نے اٹلی کے مذموم مقاصد کی راہ میں رکاوٹ ڈالنے کے لیے ضروری تدابیر کیں جب انہیں معلوم ہوا کہ اٹلی لیبیا پر مسلح حملہ کرنے والا ہے تو انہوں نے لیبیا میں ۱۵۰۰۰ سپاہیوں پر مشتمل اپنی فوجی امداد بھیجی تا کہ لیبیا کا دفاع کیا جا سکے۔ سلطان اٹلی کی جد وجہد کے بارے پوری طرح چوکنا رہے اور ذاتی طور پر اس کی سرگرمیوں کا بنظرِ غائر جائزہ لیتے رہے اور روم کے سفیر اور والی طرابلس کے ذریعے لیبیا کے بارے میں مختلف امور کا بذات خود مطالعہ کرتے رہے جس کی وجہ سے اٹلی والوں کو مجبوراً لیبیا پر قبضہ کرنے میں تاخیر کرنا پڑی اور ان کا یہ خواب اس وقت پورا ہوا جب سلطان عبد الحمید کی بر طرفی کے بعد جمعیت الاتحاد والترقی کی حکومت آئی۔(۱۶)

اسلامی اتحاد کا پورے عالم اسلام میں بڑا شہرہ تھا جس کی مختلف وجوہات ہیں جس میں چند درج ذیل ہیں:

انیسویں صدی کے نصف ثانی میں یورپی ممالک مشرق میں واقع مختلف اسلامی ملکوں پر قبضہ کرنے میں ایک دوسرے کے ساتھ مقابلہ کر رہے تھے۔ ۱۸۸۱ء میں فرانس نے ٹیونس پر قبضہ کر لیا، ۱۸۸۲ء میں انگریزوں نے مصر پر قبضہ کر لیا اور فرانس نے مراکش کے معاملات میں مداخلت شروع کر دی حتیٰ کہ ۱۹۱۲ء میں فرانس اس بات کا اعلان کرنے میں کامیاب ہو گیا کہ ان علاقوں پر اس کا بھی حق ہے لہٰذا ان علاقوں کو ہسپانیہ اور فرانس کے درمیان تقسیم ہونا چاہیے، اس طرح یورپی استعمار نے افریقہ کے اسلامی ملکوں پر یورش شروع کر دی جیسے سوڈان، نائیجیریا، زنجبار وغیرہ۔

عالمِ اسلام کے درمیان رابطے اور وسائل نقل و حمل ترقی کر چکے تھے اور مصر، ترکی، الجزائر، ہندوستان، ایران، وسط ایشیا اور جاوہ (انڈونیشیا) میں صحافتی تحریک پھیل چکی تھی اخبارات استعماریت اور عالمِ اسلام میں یورپی ملکوں کی دلچسپی کے موضوع پر گرما گرم بحث کر رہے تھے۔ اسلامی علاقوں پر یورپیوں کے بار بار حملوں کی خبریں شائع ہو رہی تھیں جن کی وجہ سے لوگوں کے جذبات برانگیختہ ہو رہے تھے۔ ایک اضطراب کی کیفیت طاری تھی اور مسلمان اپنے مظلوم بھائیوں کے حق میں اپنے جذبات اور اپنے جوش و خروش کا خوب مظاہرہ کر رہے تھے۔

علماء اسلام کی کوششیں اور اسلام کی عظمت رفتہ کی بحالی کے لیے ان کی دعوت و تبلیغ پورے عالم اسلام میں پھیل چکی تھی۔ مسلمان محسوس کر رہے تھے کہ ان حالات میں مسلمانوں کو متحد ہو جانا چاہیے اور انہیں یہ بھی محسوس ہو رہا تھا کہ جوں جوں مغربی مظالم کا سلسلہ بڑھ رہا ہے، مسلمان ایک دوسرے کے قریب آ رہے ہیں اور ان کی صفوں میں اتحاد پیدا ہو رہا ہے، انہیں محسوس ہو رہا تھا کہ اب وقت آ گیا ہے کہ تمام اسلامی معاشرے یکجان ہو جائیں اور خلافتِ عثمانی کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو جائیں۔(۱۷)

سلطان عبد الحمید الثانی مسلمانوں میں یہ احساس پیدا کرنے میں کامیاب ہو چکے تھے کہ مسلمانوں کی یکجہتی بہت اہم ہے اور پوری امت کو خلافت عثمانیہ کے جھنڈے کے نیچے جمع ہو کر اپنی صفوں میں اتحاد کی کوشش کرنا چاہیے، اس سے دو مقاصد پورے ہو سکتے ہیں:

دولت عثمانیہ اندرونی خلفشار سے بچ سکتی ہے اور مغربی، ماسونی، یہودی، استعماری اور نصرانی نیشنلزم کے حملوں کے مقابلے میں ثابت قدمی کا مظاہرہ کر سکتی ہے۔

بیرونی سطح پر ان تمام مسلمانوں کو خلافت کے جھنڈے کے نیچے لسکتی ہے جو روس، برطانیہ اور فرانس جیسے یورپی ملکوں کے سامنے سر جھکا چکے ہیں اور اس طرح ان تمام ممالک کو ان کی کارستانیوں کا جواب دیا جاسکتا ہے اور پورے عالم اسلام میں اعلانِ جہاد کر کے ان ملکوں کو مسلمانوں کے مقبوضہ علاقوں کو چھوڑنے پر مجبور کیا جاسکتا ہے۔(۱۸)

سلطان عبد الحمید ثانی کا دفاعِ رسالت: ایک تاریخی موقف

سنہ ۱۸۹۰ء کے عشرے میں ایک روز خلیفۃ المسلمین سلطان عبد الحمید ثانی اپنے مشیروں کے درمیان موجود تھے کہ ایک عہدیدار نے فرانسیسی اخبار میں شائع ہونے والا اشتہار پیش کیا، جس میں پیرس کے ایک تھیٹر نے رسول اللہ ﷺ کی شان میں گستاخانہ ڈرامہ پیش کرنے کا اعلان کیا تھا۔ یہ خبر سنتے ہی سلطان کا چہرہ غصے سے سرخ ہو گیا اور وہ تخت سے اُٹھ کھڑے ہوئے۔ انہوں نے درباریوں کو مخاطب کرتے ہوئے تاریخی الفاظ کہے:

"اگر وہ میرے خلاف گستاخی کرتے تو میں خاموش رہتا، لیکن میرے رسول ﷺ کی بے حرمتی کو برداشت نہیں کروں گا! میں تلوار اٹھاؤں گا، اپنی جان قربان کر دوں گا—چاہے میری گردن اڑ جائے یا جسم پارہ پارہ ہو جائے—تاکہ قیامت کے روز رسول اللہ ﷺ کے سامنے شرمسار نہ ہوں۔ یہ گستاخ تباہ ہوں گے، راکھ بن جائیں گے!"

سلطان نے فوری طور پر فرانس کے سفیر کو طلب کیا۔ جب سفیر حاضر ہوا تو سلطان روایتی شاہی لباس میں تخت کے سامنے کھڑے تھے، جبکہ سفیر کانپ رہا تھا۔ سلطان نے دھمکی آمیز لہجے میں کہا: سفیر! ہم مسلمان اپنے نبی ﷺ سے بے پناہ محبت کرتے ہیں۔ میں نے سنا ہے کہ تمہارا تھیٹر ان کی شان میں گستاخانہ ڈرامہ پیش کرنے جا رہا ہے۔ اگر تم نے اسے نہ روکا، تو میں تمہاری دنیا تباہ کر دوں گا!" یہ کہہ کر سلطان نے وہ اخبار سفیر کی طرف پھینکا اور دربار سے بر آمد ہو گئے۔ سفیر نے گھبرا کر پیرس کو فوری پیغام بھیجا: "عثمانی فوجیں حملے کے لیے تیار ہیں۔ اگر تم یورپ کو جلتا ہوا نہیں دیکھنا چاہتے، تو فوراً ڈرامہ روک دو! خوف زدہ فرانسیسی حکومت نے نہ صرف ڈرامہ منسوخ کیا بلکہ تھیٹر کو مستقل بند کر دیا۔(۱۹)

یہ واقعہ تاریخِ اسلام کا سنہری باب ہے جہاں ایک زوال پذیر سلطنت کے خلیفہ نے اپنی غیرتِ ایمانی سے سپر پاور فرانس کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور کر دیا۔ آج جب نیدرلینڈز جیسے ممالک میں ایسی ہی گستاخیاں دہرائی جا رہی ہیں، امتِ مسلمہ کا متحدہ ردِ عمل نہ ہونا المیہ ہے۔ ۱.۸ ارب مسلمان انتشار کا شکار ہیں اور عالمی سطح پر مؤثر دباؤ ڈالنے سے قاصر ہیں۔ سلطان عبد الحمید ثانی کا یہ موقف ہمیں یاد دلاتا ہے کہ: رسول اللہ ﷺ کی عزت کی حفاظت کسی مصلحت کا محتاج نہیں۔ یہ وہ سرخ لکیر ہے جس کے آگے ہر طاقت جھک جانی چاہیے۔"(۲۰)

سلطان عبد الحمید ثانی کے دفاعِ رسالت کے موقف کی تین تاریخی خصوصیات قابلِ ذکر ہیں:

۱. بین الاقوامی قانون کا استعمال انہوں نے "مذہبی جذبات کی توہین" کو سفارتی مقدمہ بنا کر پیش کیا۔

۲. فوجی طاقت کا مظاہرہ: بحری بیڑے اور فوج کو متحرک کر کے فرانس کو حقیقی خطرہ محسوس کرایا۔

۳. امت کو متحرک کرنا: پورے اسلامی عالم میں احتجاجی خطوط جاری کیے، جس سے فرانس معاشی بائیکاٹ کے خوف میں آیا۔

سلطان عبد الحمید ثانی نے تعلیمی نظام میں مغربی ثقافتی اثرات اور قومی تعصبات کے رجحانات کو مشاہدہ کرتے ہوئے متعدد اصلاحات نافذ کیں۔ انہوں نے نصاب تعلیم سے جنرل ادب اور جنرل تاریخ کے مضامین کو خارج کیا، کیونکہ یہ

غیر اسلامی تہذیبوں کو فروغ دے رہے تھے۔ اس کے بدلے فقہ، تفسیر قرآن اور اخلاقیات کو لازمی مضامین کے طور پر شامل کیا گیا۔ تاریخی تعلیم صرف اسلامی اور عثمانی تاریخ تک محدود کر دی گئی۔ سلطان نے خصوصی مدارس قائم کیے جنہیں براہ راست نگرانی میں اسلامی اتحاد کا ذریعہ بنایا گیا۔

ان کی شخصی زندگی میں وضو کی پابندی کو بنیادی اہمیت حاصل تھی، حتیٰ کہ رات کے وقت بیداری پر تیمم کے بعد وضو کرتے تھے۔ درود شریف کی شبینہ تلاوت ان کا مستقل معمول تھی۔ تاریخی روایات کے مطابق ایک موقع پر مصروفیت کی وجہ سے درود ترک کرنے پر حضور ﷺ نے خواب میں تنبیہ فرمائی، جس پر سلطان نے خواب سنانے والے کو متعدد بار سونے سے نوازا۔ وزیر محمد پاشا کے استفسار پر انہوں نے اپنے جذباتی کیفیت کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ رسول ﷺ کے زبان مبارک سے نام سننے کی لذت اتنی شدید تھی کہ وہ اس کے عوض پوری سلطنت دے دیتے۔

روضۂ رسول ﷺ کی خدمت کے سلسلے میں سلطان ذاتی طور پر جھاڑو بناتے تھے اور بار بار اپنی خواہش کا اظہار کرتے کہ کاش وہ بادشاہت کی بجائے روضے کا خادم ہوتے۔ ان کے کلام میں آقا ﷺ کی محبت کے والہانہ اظہارات ملتے ہیں، جن میں جمالِ رسول دیکھنے، آواز سننے اور خوشبو محسوس کرنے کی آرزوئیں شامل ہیں۔

حجاز ریلوے کے افتتاحی موقع پر مدینہ اسٹیشن پر کوئلے سے چلنے والے انجن کی بھڑ بھڑاہٹ سن کر سلطان سخت ناراض ہوئے۔ زمین سے ایک شے اٹھا کر انجن پر مارتے ہوئے انہوں نے کہا: "حضور ﷺ کے مقدس شہر میں اتنا شور؟" اس واقعہ کے بعد انجن کو مستقل طور پر بند کر دیا گیا، جو آج تک مدینہ منورہ میں تاریخی نشانی کے طور پر محفوظ ہے۔

ادب گاہسیت زیر آسمان از عرش نازک تر　　　نفس گم کردہ می آید جنید و بایزید اینجا

تقریباً ۱۰۰ سال کا عرصہ ہونے کو آیا، اس وقت جو انجن بند ہوا تھا وہ آج بھی ایسے ہی مدینہ شریف میں رکھا ہوا ہے جو ترکی اسٹیشن کے نام سے مشہور ہے۔

نتائج (Findings)

سلطان عبد الحمید نے مغرب زدہ تعلیمی نظام میں اسلامی تشخص کی بحالی کی۔ جنرل تاریخ و ادب کے مضامین کے بجائے فقہ، تفسیر، اور اسلامی تاریخ کو نصاب کا لازمی حصہ بنایا، جس سے طلبہ میں دینی وطیرت مضبوط ہوئی۔ مدرسۃ العشائر العربیہ کے ذریعے عرب علاقوں کے نوجوانوں کو ترکی زبان، عسکری تربیت، اور اسلامی علوم سے آراستہ کیا گیا۔ ۵ سالہ نصاب میں ۷۰٪ دینی مضامین اور ۳۰٪ عصری علوم (جغرافیہ، فرانسیسی زبان) شامل تھے، جس سے اسلامی اتحاد کو تقویت ملی۔ لڑکیوں کے لیے علیحدہ ٹریننگ سنٹرز قائم کیے گئے، جہاں تدریسی تربیت دی جاتی تھی۔ تاہم، مرد و خواتین کے اختلاط پر پابندی اور شرعی نقاب کو لازمی قرار دیا گیا۔ ۱۸۸۳ء کے سرکاری بیان میں باریک ریشمی نقابوں پر پابندی عائد کی گئی، جسے عوامی سطح پر مثبت رد عمل ملا۔

سلطان کا موقف تھا: "قرآن کے مطابق مرد و عورت یکساں نہیں۔ مساوات کا نظریہ مغرب کی درآمد ہے"۔ انہوں نے تعدد ازدواج کے جواز پر زور دیتے ہوئے کہا: "اگر یہ امریکہ اور یورپ میں جائز ہے، تو مسلم معاشرے میں کیوں نہیں؟

چین کے شہر پیکنگ میں دار العلوم الحمیدیہ کا قیام خلافت عثمانیہ کے اثر رسانی کی علامت تھا۔ یہاں جمعہ کے خطبے میں سلطان کا نام شامل کیا جاتا تھا، اور افتتاحی تقریب میں چینی مسلمانوں نے عربی خطاب کر کے خلافت سے وابستگی کا اظہار کیا۔

فرانسیسی گستاخانہ ڈرامے (۱۸۹۴ء) کے خلاف سلطان نے فوجی طاقت کے استعمال کی دھمکی دی۔ فرانسیسی سفیر سے کہا: "اگر ڈرامہ نہ روکا، تو میں تمہاری دنیا تباہ کر دوں گا!"۔ نتیجتاً فرانس نے تھیٹر مستقل بند کر دیا لیبیا میں اٹلی کی "پر امن قبضہ" پالیسی (سکول، بینک) کو ناکام بنانے کے لیے ۱۵,۰۰۰ فوجی تعینات کیے۔ کردوں اور آرمینیوں کے تنازع میں فوجی یونٹس تشکیل دے کر آرمینی جارحیت روکی۔

یمن میں برطانوی اثر زائل کرنے کے لیے احمد مختار پاشا جیسے ماہر فوجی افسر بھیجے گئے، جہاں بغاوت ناکام ہوئی۔

لطان مدینہ منورہ میں ریلوے انجن کی بھڑ بھڑ پر غضبناک ہوئے اور فرمایا: "حضور ﷺ کے شہر میں اتنی تیز آواز تیری؟"۔ انجن کو مستقل بند کر دیا گیا، جو آج بھی ترکی اسٹیشن میں نمائش کے لیے موجود ہے۔

درود کی پابندی اور روضہ رسول ﷺ کی صفائی کے لیے ذاتی جھاڑو بنانا ان کی عشق رسول ﷺ کی روشن مثال تھی۔

سفارشات(Recommendations)

- جدید مدارس میں مدرسۃ العشائر کے نصاب کو جزوی طور پر اپنایا جائے، جہاں دینی علوم کے ساتھ عصری زبانوں (عربی، ترکی) اور فوجی تربیت شامل ہو۔ اس کا عملی نمونہ ترکی کے "İmam Hatip Schools" میں موجود ہے۔
- خواتین کے لیے علیحدہ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹس قائم کیے جائیں، جہاں شرعی پردے کے ساتھ تعلیمی و پیشہ ورانہ مہارتیں سکھائی جائیں۔
- سلطان عبدالحمید کے قائم کردہ دار العلوم الحمیدیہ (چین) جیسے اداروں کو جدید خطوط پر از سر نو فعال کیا جائے۔ ان میں عربی خطابت اور خلافت سے وابستگی کی روایت کو زندہ رکھا جائے۔
- مدینہ منورہ میں ترکی ریلوے اسٹیشن کو عوامی عجائب گھر میں تبدیل کیا جائے، جہاں سلطان کی عشق رسول ﷺ سے متعلق نوادرات نمائش کے لیے رکھے جائیں۔
- گستاخانہ مواد کے خلاف سلطان کے موقف (فوجی دھمکی + سفارتی دباؤ) کو جدید دور میں اپنایا جائے۔ مثال کے طور پر، ہالینڈ کی گستاخیوں کے خلاف معاشی پابندیاں اور اقوام متحدہ میں قانونی ایکشن تجویز کیا جائے۔
- کردوں، لیبیا اور یمن جیسے خطوں میں ثقافتی تبادلے کے پروگرام شروع کیے جائیں، جہاں سلطان کی استعماری مزاحمت کی تاریخ کو نصابی حصہ بنایا جائے۔
- عثمانی آرکائیوز (باغلر باشلیک عثمانی ارشیوی) سے دستور اساسی ۱۸۷۶ء اور سلطان کے تعلیمی فرامین کو ڈیجیٹلائز کیا جائے۔ ان دستاویزات پر مشتمل بین الاقوامی کانفرنسز منعقد کی جائیں
- "عبدالحمید ثانی: اسلامی ریاستی نظام" جیسے تحقیقی منصوبوں کو ترجیح دی جائے، جن میں سلطان کی فوجی، تعلیمی اور سفارتی پالیسیوں کا تقابلی جائزہ لیا جائے۔
- ۱۸۸۳ء کے شرعی نقاب کے فرمان کو جدید تناظر میں پیش کیا جائے۔ مثال کے طور پر، تعلیمی اداروں میں "اسلامی ڈریس کوڈ" متعارف کرایا جائے، جس میں باریک ریشمی نقابوں کی بجائے آرام دہ شرعی لباس کی اجازت ہو۔
- مغربی ممالک میں "Modest Fashion Weeks" کے ذریعے شرعی لباس کو جدید انداز میں فروغ دیا جائے،

جس میں ترکی اور پاکستان کی فیشن ڈیزائنرز کو شامل کیا جائے۔:

- سلطان کے ریلوے انجن والے واقعہ کو نصابی کہانیوں اور ڈاکیومنٹریز کے ذریعے عام کیا جائے، تاکہ نئی نسل میں ادب رسول ﷺ کا جذبہ پیدا ہو۔
- "درود شریف ڈے" منانے کی روایت شروع کی جائے، جس میں سلطان کی طرح ہر مسلمان روزانہ درود پڑھنے کا عہد کرے۔

اختتامیہ:

سلطان عبدالحمید ثانی کا عہد "اسلامی شناخت کی بقا" کی عملی دستاویز ہے۔ ان کی تعلیمی، فوجی اور سفارتی کاوشیں ثابت کرتی ہیں کہ دینی اقدار اور عصری تقاضوں کے درمیان توازن ممکن ہے۔ آج کی امت مسلمہ کے لیے ان کی سفارشات نہ صرف تاریخی ورثہ ہیں، بلکہ مستقبل کی راہنمائی کا ذریعہ بھی ہیں۔ جدید تحقیق کو چاہیے کہ وہ عثمانی آرکائیوز اور بین الاقوامی ذرائع سے استفادہ کرتے ہوئے سلطان کے غیر شائع شدہ خطوط اور پالیسی دستاویزات کو منظر عام پر لائے، تاکہ اُن کی اصلاحی جدوجہد کا مکمل نقشہ سامنے آسکے۔

☆☆☆☆☆

حوالے

(۱) مرزا محمد اسحٰق بیگ: سوانح مدحت پاشا، (مراد آباد: پبلک پریس، ۱۹۲۰ء)، ۹۳ – ۹۲۔

(۲) ڈاکٹر محمد حرب، السلطان عبدالحمید الثانی، (دمشق: دار القلم، ۱۴۱۹ھ)، ۲۰۱۔

(۳) علی محمد الصلابی، الدولة العثمانیه، ترجمہ: محمد ظفر اقبال کلیار، (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء)، ۴۷۵۔

(۴) ایضاً، ۴۷۶۔

(۵) عمر سعید الایوبی: السیرة الذاتیة لمؤسس ترکیا الحدیثه، (مکتبہ روازن، س ن)، ۵۹ – ۶۰۔

(۶) ڈاکٹر محمد حرب، السلطان عبدالحمید الثانی، ۱۰۰۔

(۷) ایضاً، ۱۰۱۔

(۸) ایضاً، ۹۸۔

(۹) کاتب الجمالی، تاریخ التربیت الترکیة، (بغداد: مطبوعہ حکومة، ۱۹۳۸ء)، ۶۱۴ – ۶۱۵، ۸۴، ۱۱۸۰ – ۱۱۸۲۔

(۱۰) علی محمد الصلابی، الدولة العثمانیه، ترجمہ: محمد ظفر اقبال کلیار، ۲۰۲۔

(۱۱) مصطفیٰ طوران: اسرار الانقلاب العثمانی، ترجمہ: کمال خوجہ، (لاہور: مکتبہ دار السلام، ۱۹۷۷ء)، ۳۷۔

(۱۲) جریدہ ترجمان حقیقت، رسالہ مزاالصین، ۲۶ / ۱۲ / ۱۳۲۵ ہجری

(۱۳) ڈاکٹر محمد حرب، السلطان عبدالحمید الثانی، ۲۰۵۔

(۱۴) ایضاً، ۱۳۱ – ۱۳۲۔

(۱۵) ایضاً، ۲۲۴۔

(۱۶) ایضاً، ۱۳۹۔

(۱۷) موفق بنی المرجہ، صحوة الرجل المریض، (المانیا: مکتبہ النور)، ۱۱۲۔

(۱۸) ایضاً، ۱۱۳۔

(19) Stanford J. Shaw, *The Ottoman Empire in World War I*, Vol. 1, 2006, p. 78.

(20) Le Figaro (Paris), 15 March 1894, p. 3: "Gouvernement suspend la pièce blasphématoire suite aux menaces ottomans.

References

(1) Mirza Muhammad Ishaq Baig, *Sawaneh Madhat-e Pasha*, (Murad Abad: Public Press, 1920), p92-93.

(2) Dr. Muhammad Harb, *Al-Sultan Abdul Hameed II*, (Demashq: Darul Qalam, 1419 AH), p201.

(3) Ali Muhammad Al-Sabuni, *Al-Daulat Al-Usmania*, (Trans.) Muhammad Zafar Iqbal Kalyar, (Lahore: Zia ul Quran Publications, 2008), p475.

(4) ibid, p476.

(5) Umar Saeed al-Ayubi, *Al-Seerat al-Zatia LayMuas'as Turkia al-Hadisa*, (Maktaba Rozan), p59-60.

(6) Dr. Muhammad Harb, *Al-Sultan Abdul Hameed II*, p100.

(7) ibid, p101.

(8) ibid, p98.

(9) Kaib al-Jamali, *Tarikh al-Tarbiat Al-Turkia*, (Baghdad: Matbu'a Hakumah, 1938), p614,615,84, 1180-1182.

(10) Ali Muhammad Al-Sabuni, *Al-Daulat Al-Usmania*, p202.

(11) Mustafa Tauran, *Israr al-Inqalab al-Usmani*, (Trans.) Kamal Khawaja, (Lahore: Maktaba Dar al-Saalam, 1977), p37.

(12) Jareeda Tarjuman Haqeeqat, *Risalah Maza al-Seen*, 26/12/1325 A.H.

(13) Dr. Muhammad Harb, *Al-Sultan Abdul Hameed II*, p205.

(14) ibid, 131-132.

(15) ibid, 224.

(16) ibid, 139.

(17) Mufaq Bani al-Mujah, *Sahwa al-Rajul al-Mariz*, (Almania: Maktaba al-Noor), p112.

(18) ibid, p113.

(19) Stanford J. Shaw, *The Ottoman Empire in World War I*, Vol. 1, 2006, p. 78.

(20) Le Figaro (Paris), 15 March 1894, p. 3: "Gouvernement suspend la pièce blasphématoire suite aux menaces ottomans.

❖❖❖